انجمن ترقی اردو ہند
کا
ہفتہ وار اخبار

قیمت سالانہ
تین روپیہ
ایک پرچہ
تین آنہ
تاریخ اشاعت
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

رجسٹرڈ نمبر
اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۱۹
تار کا پتہ
"انجمن"
علی گڑھ

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۲ | علیگڈھ - یکم فروری ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۵

رفتار

خلیل الرحمٰن اعظمی

اردو شاعری میں میر کی اہمیت کا اعتراف تو غالباً سب کو ہے اور بہت سے لوگ تو میر کو اپنا محبوب شاعر کہتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ میر نے اردو کے تنقید نگاروں کو بہت کم متاثر کیا ہے۔ میر کو مجنوں گورکھپوری نے اردو شاعری کا "خدا" کہا ہے۔ ہو سکتا ہے میر سے یہی مرعوبیت انھیں ایک بھاری پتھر بنا دیتی ہو جسے صرف چوم لینا کافی ہے۔ ایک زمانے میں تو میر کا کلیات بھی ٹھکانے کا چھپا ہوا نہیں ملتا تھا اور کسی کی نظر بھی اس طرف نہ جاتی تھی کہ اسے باقاعدہ ایڈٹ کرے اور کتابت کی غلطیاں درست کرے۔ غالباً مرزا یگانہ چنگیزی مرحوم پہلے آدمی ہیں جنھوں نے رسالہ "زمانہ" کانپور میں ایک طویل مضمون کے ذریعہ اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی اور اپنے ذوق اور میر کے مزاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سے اشعار کی تصحیح فرمائی تھی۔ اس کے بعد عبدالباری آسی مرحوم نے از سرِ نو کلیات میر کی تدوین کی اور اس وقت تک غالباً یہی سب سے مستند نسخہ ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے یہ حال تھا کہ اردو ادب کے طالب علموں کو جب میر سے متعلق کچھ تنقیدی مواد کی تلاش ہوتی تھی تو انھیں مجنوں گورکھپوری کا ایک مضمون اور مولوی عبدالحق صاحب کے انتخاب میر کا مقدمہ بس یہی دو چیزیں ملتی تھیں۔ مولوی عبدالحق صاحب کا مقدمہ اچھا ہے لیکن وہ جدید تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور نہ ہی اس میں میر کی شخصیت یا شاعری سے متعلق مولوی صاحب گہرائی میں گئے ہیں۔ انتخاب تو اور بھی تشنہ اور رواداری میں کیا ہوا ہے۔ اسی زمانے کا ایک انتخاب نورالرحمٰن صاحب کا ہے جسے مکتبہ جامعہ نے شائع کیا تھا۔ یہ میر سے زیادہ نورالرحمٰن صاحب کی نمائندگی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ ان کے پسندیدہ اشعار کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے پرانے بزرگوں میں میر کے کلام کو غور سے پڑھنے اور اس کی تہوں تک جانے کی اگر کسی نے کوشش کی ہے تو وہ بلاشبہ حضرت اثر لکھنوی ہیں۔ انھوں نے دو جلدوں میں میر کا ایک وسیع انتخاب "مزامیر" کے نام سے شائع کیا تھا جس میں ان کا طویل مقدمہ اور ڈاکٹر امرناتھ جھا کے ایک انگریزی مقالے کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ اثر صاحب وقتاً فوقتاً رسالوں میں میر سے متعلق مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں اگرچہ وہ ناقد سے زیادہ میر کے پرستار ہیں اور ان کے لہجے میں بھی وکالت کا رنگ غالب ہے پھر بھی میر شناسی کے سلسلے میں ان کی خدمات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

چند سال پہلے میر پر ایک تفصیلی کتاب "میر تقی میر: حیات اور شاعری" کے عنوان سے خواجہ احمد فاروقی کی لکھی ہوئی انجمن ترقی اردو نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب ۶۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت بارہ روپیہ ہے۔ پہلی نظر میں تو ہمیں بہت مسرت ہوتی ہے کہ چلئے میر پر ایک کام تو ہوا لیکن جوں جوں ہم کتاب پڑھتے جاتے ہیں ہم پر ایک اداسی کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور کتاب ختم ہونے کے بعد فوراً

وہی مصرع ذہن میں آتا ہے جو اب کافی پامال ہوچکا ہے یعنی

شہ۔ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا

خواجہ صاحب نے اس کتاب کے لکھنے میں یقیناً محنت کی ہوگی اور ان کی عرق ریزی کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ انھوں نے ان امور پر زیادہ محنت کی جن پر اتنی تفصیل کی ضرورت نہیں تھی۔ مثلاً اس زمانے کے تمام تاریخی حالات کو تاریخی کتابوں سے من وعن نقل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کا خلاصہ، ان کی طرف اشارے اور میر کی شخصیت یا فن پر ان کا جو کچھ اثر پڑا ہے ان کا تجزیہ کافی تھا۔ دراصل ضرورت اس بات کی تھی کہ جدید تنقیدی اصولوں پر میر کے شاعرانہ مزاج اور ان کے فن کو پرکھا جاتا لیکن جب ہم خواجہ صاحب کی کتاب میں فن کی منزل پر پہنچتے ہیں تو بار بار ہر دو تین صفحے کے بعد محض ایک فقرے کی تکرار ملتی ہے "میر کے یہاں دل اور دلی کا مرثیہ ہے" خواجہ صاحب کی کتاب کا جو تحقیقی حصہ ہے اس کے نقائص اور اغلاط کی تفصیل معلوم کرنی ہو تو قاضی عبدالودود صاحب کا تبصرہ "معاصر" میں پڑھئے۔ جو اتنی صفحات پر پھیلا ہوا ہے لیکن تنقیدی حیثیت سے بھی یہ کتاب آج کے مطالبے کو پورا نہیں کرتی۔ جو مواد خواجہ صاحب نے اپنی کتاب میں دیا ہے اسے بھی اگر سلیقے کے ساتھ پیش کیا جاتا تو آسانی سے ڈھائی تین سو صفحے کی ایک کتاب ہوسکتی تھی۔

میر کی شخصیت اور ان کے فن کی اندرونی تہوں تک پہنچنے کی کوشش کچھ دنوں سے نئے تنقید نگاروں نے کی ہے اور میر کے سلسلے میں یہی چیزیں جاندار کہی جاسکتی ہیں۔ ان میں سب سے پہلا نام ڈاکٹر سید عبداللہ کا ہے۔ میر کے سلسلے میں ان کے تقریباً ایک درجن مضامین شائع ہو چکے ہیں اور ان کے ہر ہر پہلو کا انھوں نے ایسا تجزیہ کیا ہے کہ بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ ان کے مجموعہ مضامین "بحث و نظر" میں جو مضامین ہیں ان کے علاوہ یہ مضامین بھی پڑھنے کے قابل ہیں۔ (۱) میر اور نیرنگ فطرت (ماہ نو) (۲) میر کے قبول عام کی بنیادیں (اردو) (۳) میر تقی میر اور نقاش کا فن (ادب لطیف) (۴) میر کے ادھورے تجربے (نئی تحریریں) آخری مضمون ابھی حال کا ہے۔ اس میں انھوں نے میر کے ہندوستانی مزاج کا تجزیہ کیا ہے اور بعض ایسی چیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن پر ابھی تک کسی کی نگاہ نہیں گئی تھی۔

محمد حسن عسکری اردو کے نئے ادیبوں میں کافی نکو ہیں لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ انھوں نے میر کو سلیقے سے پڑھا ہے۔ میر پر ان کا سب سے پہلا مضمون "میرجی" جون ۱۹۴۵ء کے ساقی میں شائع ہوا تھا اس کے بعد "میر اور نئی غزل" کے عنوان سے بھی انھوں نے ایک مضمون لکھا جو ان کے مجموعہ مضامین "انسان اور آدمی" میں شامل ہے۔ عسکری کے زاویہ نظر سے کسی کو اختلاف ہو لیکن اردو شاعری کے وہ بڑے اچھے پارکھ ہیں اور ان کا ذوق شعر اعتماد کے لائق ہے۔ اسی لئے امید ہے کہ ان کا مرتب کیا ہوا میر کا انتخاب جو مکتبہ جدید لاہور سے شائع ہونے والا ہے جانے کی چیز ہوگا۔

پروفیسر صفی حیدر دانش نے بھی میر پر کچھ کام کیا ہے اور اس سلسلے میں ان کے کئی ایک مضمون "ادب لطیف" اور دوسرے رسالوں میں شائع ہوچکے ہیں۔ یہ مضامین بھی میر کی تنقید کے سلسلے میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ اسی سلسلے میں نصیر احمد نادر کا طویل مضمون "آدھ گھنٹے میر کے ساتھ" بھی آتا ہے جو "ادبی دنیا" میں شائع ہوا تھا۔

الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر مسیح الزماں نے میر کے مرثیوں پر کچھ کام کیا ہے اور اسی یونیورسٹی کے ڈاکٹر رفیق حسین نے ایک مضمون "اردو ادب" میں لکھا تھا جس کا عنوان ہے "میر تقی میر کے کلام میں ترقی پسندی کی جھلکیاں"

بالکل نئی نسل کے نقطہ نظر سے میر کا مطالعہ انتظار حسین اور ناصر کاظمی نے کیا ہے ان دونوں حضرات کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا وہ "دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف" کے عنوان سے ستمبر ۱۹۵۴ء کے "ماہ نو" میں شائع ہوا تھا۔ ان دونوں ادیبوں نے میر کے انسانی لب و لہجے اور ان کی اہمیت کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی ہے۔ ناصر کاظمی نے ایک طویل مضمون بھی میر پر لکھا ہے جو "سویرا" میں شائع ہونے والا ہے

ان کے علاوہ نئے تنقیدی زاویوں سے میر کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے ان میں ریاض احمد کے مضامین جو "راوی" "گورنمنٹ کالج لاہور" میں شائع ہوئے۔ شمیم رضوی کا مضمون "میر کا عشق" (برگ گل) اور ڈاکٹر محمد حسن کا "میر کا دور" (ادب لطیف) خاص طور سے پڑھنے کے قابل ہیں

(بقیہ ص ۱۲ پر دیکھئے)

ہماری زبان

یکم فروری ۱۹۵۷ء

مشاعروں کی اصلاح

یہ مشاعروں کا زمانہ ہے۔ کوئی تہوار ہو یا جشن، نمائش ہو یا سالانہ تقریب، اس موقع پر مشاعرہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ چند شعرا ایک مشاعرے سے دوسرے مشاعرے تک زندگی گزارتے ہیں۔ ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے۔ داد بھی ہوتی ہے اور ہیدڑ بھی۔ مشاعروں میں صدر کا انتخاب عموماً سیاسی یا سرکاری نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے۔ مقبول شعرا کے کلام پر خوب واہ واہ ہوتی ہے۔ وہ بھی نیا کلام نہیں سناتے وہی "اگلے برس کی تیلیاں" ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ مشاعروں میں شرکت کے بعد ایک سنجیدہ طبیعت پر مجموعی اثر اچھا نہیں ہوتا۔ شعرا ایک روایتی چکر میں گرفتار ہیں۔ سننے والے شعر پر توجہ نہیں کرتے، گلے بازی کو پسند کرتے ہیں۔ شعرا کی پارٹیاں ہیں۔ کچھ لوگ محفل میں ایک دوسرے پر فقرے کستے ہیں۔ کبھی کبھار ہاتھا پائی کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ ایسے بھی شاعر ہیں جو مشاعرے میں اپنی بدمستی سے سامعین کو بدمزہ کرتے ہیں۔ سننے والوں کا یہ حال ہے کہ اچھا شعر تو درکنار بعض اوقات فارسی کی معمولی ترکیب نہیں سمجھتے، بقول جوشؔ "سوتا مال" پسند کرتے ہیں۔

یہ سلسلہ کب تک چلے گا اور اگر چلتا رہے گا تو اس سے زبان و ادب کی کیا خدمت ہوگی۔ ہم مشاعروں کے خلاف نہیں ہیں۔ شاعر اور اس کے حلقے کے درمیان ارتباط کا یہ ذریعہ ابلاغ کا یہ وسیلہ، اردو زبان کی ایک خصوصیت ہے اس خصوصیت کو مسخ کرنے سے زبان و ادب کا نقصان ہوگا۔ اس کے تفریحی پہلو سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ تفریح بدمذاقی نہ بن جائے۔

پہلی بات ہمیں شاعروں سے کہنا ہے۔ انھیں صرف شاعری کو اپنی روزی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے کسی اور سماجی، ادبی یا تہذیبی کام میں شریک ہونا چاہیے اس سے ان کا تجربہ وسیع ہوگا۔ اپنے خول سے باہر نکلنے کا موقع ملے گا وہ محض مشاعرے کی مصلحتوں کے اتنے شکار نہ ہوں گے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ اب ہزاروں کے مجمع میں فارسی آمیز زبان جاننے والوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ انھیں ایسی زبان استعمال کرنا چاہیے جو زیادہ عام فہم ہو۔ شاعری نہ صرف فارسی آمیز زبان میں ہے نہ صرف ہندی آمیز زبان میں۔ ہاں دونوں میں اچھی شاعری ممکن ہے بشرطیکہ شاعر میں تخیل، احساس اور قدرت بیان ہو اور اس کے تجربات محدود نہیں متنوع ہوں۔ ہندی کے شاعر آج سنسکرت کے چکر سے آزاد ہو رہے ہیں۔ شاعری کی زبان میں کلاسیکل زبانوں کا اثر ناگزیر ہے مگر کلاسیکل زبانوں کی غلامی، جدید زبانوں کے لیے مضر ہے۔ اس لیے جدید زبان کے شاعروں کو اپنے دور کی زبان استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود ایک معیار اور حسن کا لحاظ ممکن ہے۔

پھر ہمارے شعرا کو موضوعات سخن میں بھی وسعت پیدا کرنا چاہیے غزل میں سیاسی اور اخلاقی مضامین بیان کرنا یا اپنی محرومی اور دوسروں کی سرشاری کی طرف اشارہ کرنا کافی نہیں ہے شعرا کے علم میں وسعت، مطالعے میں گہرائی اور تجربات میں جان ہوگی تو وہ زندگی کے ہر موضوع کو شاعرانہ طور پر بیان کر سکیں گے۔ ہندستان میں اردو کا شاعر یا تو آج اپنے کو دہرا رہا ہے یا سستے سیاسی خیالات کی تبلیغ کرتا ہے۔ حقیقی شاعری کا مطالبہ اس سے زیادہ ہے۔ دریا سے موتی نکالنے کے لیے تہ تک جانا پڑتا ہے۔

دوسری بات ہمیں ان لوگوں سے کہنا ہے جو مشاعرے منعقد کرتے ہیں۔ شاعری کو اپنی سرکاری یا انتظامی یا ذاتی مصلحتوں کا آلۂ کار نہ بنایئے۔ وزیروں یا افسروں یا امرا کو صدر بنانے سے کچھ لوگوں کے مقاصد ممکن ہے برآئیں مگر شاعری کی کوئی خدمت نہیں ہوتی۔ صدر بننے کا انھی کو حق ہے جو یا تو شاعر ہیں یا نثر نگار یا اپنی علمی و ادبی حیثیت کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ مشاعرے کی کامیابی پر اس کا بڑا اثر ہوتا ہے کہ صدر خود مشاعرے میں کس طرح حصہ لیتا ہے۔ وہ محض مسند کی زینت ہے یا مشاعرے کا رُخ بھی موڑ سکتا ہے۔ شعرا اس سے مخاطب ہیں یا محض ایک دوسرے سے یا سامعین سے۔ بڑے مشاعروں میں شعرا کی تعداد بھی بہت ہوتی ان کی قوالی زیادہ کارگر ہوتی ہے۔ تیس چالیس ادنیٰ درجے کے اور تین چار اچھے شاعر مشاعرے کو کامیاب نہیں بنا سکتے سامعین جن کو سننا چاہتے ہیں ان کے لئے بہت زیادہ انتظار نہیں کر سکتے یہ نہیں کہ ہر مشاعرہ دس بجے شب سے چار بجے صبح تک چلے موجودہ دور کی مصروف زندگی میں مشاعرے تین گھنٹے سے زیادہ نہ ہوں تو اچھا ہے بڑے مشاعروں میں دس بارہ قابلِ ذکر شاعر کافی ہیں وہ اگر بار بار بھی سنائیں تو لوگ اکتاتے نہیں، مشاعرے کی نشست کو

اس طرح ہو کہ مشاعرہ کے سامنے دوسرے شعرا اور سخن فہم حضرات ہوں تو شاعر کو سنانے میں لطف آتا ہے اور ان کے تاثرات عام سامعین تک مناسب طور پر پہنچتے ہیں۔ نشست پر معمولی توجہ سے مشاعرے کامیاب ہو سکتے ہیں

مشاعرے ادبی ادارے بھی ہیں اور تہذیبی ادارے بھی ہماری تہذیب کی جو صالح روایات ہیں ان کو برتنا ضروری ہے۔ اگر شاعر خود جادۂ تہذیب سے ہٹ جائے تو سامعین سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔

ہر اچھا کام تمام عناصر کے اشتراک اور تعاون سے ہوتا ہے۔ مشاعروں میں جو ہڑبونگ ہوتی ہے اس سے اردو زبان و ادب کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ اصلاح ہو سکے ورنہ اندیشہ ہے کہ سنجیدہ اشخاص مشاعروں کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ رکھنے لگیں گے۔

یہ کتابیں ملیں

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں

۱۔ **مولانا شبلی** :۔ تصنیف :۔ سعید انصاری

ناشر :۔ اناظریک ایجنسی لکھنؤ۔ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ ص ۱۲۰

کاغذ اچھا۔ قیمت ۱/۸ روپے

۲۔ **خسرو کی پہیلیاں** مرتبہ :۔ شاہین ظفر علوی

ناشر :۔ اناظریک ایجنسی لکھنؤ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ ص ۵۶

کاغذ اچھا۔ قیمت آٹھ آنے

۳۔ **زہر عشق** (ہندی رسم خط)

تصنیف :۔ مرزا شوق لکھنوی

ناشر :۔ ادبی پبلشرز بمبئی ۸ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ ص ۹۴

کاغذ عمدہ قیمت دو روپے چار آنے

۴۔ **عالم خیال** (ہندی رسم خط)

تصنیف :۔ شوق قدوائی

ناشر :۔ ادبی پبلشرز بمبئی ۸ حجم ۲۰×۳۰/۱۶ ص ۵۹

کاغذ عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ ۱۲ آنے

۵۔ **مثنوی چلیسر نامہ** مشفق :۔ اوداکی بیگلاد

ناشر :۔ سندھی ادبی بورڈ۔ کراچی

حجم ۲۰×۳۰/۸

کاغذ اچھا۔ قیمت ۱/۸ روپے

اُردو لغت

نثار احمد صاحب فاروقی دہلی

"ہماری زبان" اب ایک ایسا معیاری ہفتہ وار بن گیا ہے جو اردو زبان اور اس کی رفتار کے بارے میں تازہ ترین معلومات بہم پہنچانے والا واحد اخبار کہا جا سکتا ہے غالب کی طرح میں بھی تنگی سے سخت نفرت کرتا ہوں اور "خرِ مشتش" کو "اسپ تازی" کبھی نہیں کہتا، یہ جو کچھ لکھا، بیان واقعہ ہے، حقیقت ہے اور اظہار و شہادت ہے آپ کی خدمات پر۔ جس نے انجمن کو "انجمن" بنا دیا ہے اور یہ امید بندھ گئی ہے کہ اب کام اطمینان بخش طریقے سے ہوگا۔

انجمن کی "رفتار" بڑی سرپٹ ہے ایک ہی خرام ناز سے انھوں نے بہتوں کو پسپا کر دیا ان سے کہنا ہے کہ

زیر قدمت ہزار جان است!

بہرحال خوب بہت خوب، نہایت دلچسپ اور معلومات آفریں رفتار ہے۔ نوا کی تلخی مجھے اور بھی زیادہ بھاتی ہے خدا جانے اس کا نفسیاتی سبب کیا ہے! لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر سچی بات کو خوشامدانہ لہجے میں کہا جائے تو وہ "حق" سے زیادہ "خوشامد" بن جاتی ہے۔

اردو کی لغت ضرور شائع ہونی چاہئے۔ میں بھی اس کا ممبر بن جاؤں گا اور اپنے دوسرے بہت سے احباب کو آمادہ کروں گا یہ کام فوراً شروع ہونا چاہئے۔ فرہنگ آصفیہ کی تلاش میں ۲ مہینے سرگرداں رہا، تب کہیں جا کر بڑی قیمت میں ملی۔ نور اللغات تو ملتا ہے۔ جامع اللغات پاکستان میں چھپ رہی ہے وہ ہندوستان کے مارکیٹ کی ضرورت کو پورا نہ کر سکے گی۔ اس سلسلے میں مکمل اسکیم تیار ہو جائے تو ممبر سازی کا کام شروع کر دیجئے۔

جناب گوپی چند نارنگ دہلی

انجمن نے اردو لغت شائع کرنے کا جو ارادہ کیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب نے صحیح فرمایا ہے کہ "قاموس الادب" کی اشاعت بھی مد نظر رہنی چاہئے لیکن اردو لغت کا کام بھی "ہفت خواں" طے کرنے سے کم نہیں۔ اس سلسلے میں مزید تفصیلات "ہماری زبان" میں شائع کی جائیں اور یہ بھی بتایا جائے کہ سو روپے کتنی برابر قسطوں میں کب سے بھیجنا شروع کئے جائیں۔

انجمن کی خبریں

بلند شہر (یوپی) انجمن ترقی اردو شاخ بلند شہر کا ایک جلسہ سکریٹری انجمن ہٰذا حضرت سید محمد خضر برنی کی صدارت میں یکم فروری ۱۹۵۷ء کو منعقد ہوگا جس کا پروگرام اس طرح ہے۔

(۱) گزشتہ ماہ مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری صاحب کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا تھا جس میں ہفت روزہ "ہماری زبان" کی توسیع اشاعت کے متعلق تحریر تھا لہٰذا اس جلسے میں غور کیا جائے گا اور پچاس پرچے حامیان اردو میں تقسیم کئے جائیں گے۔

(۲) محترم حیات اللہ انصاری کی "دس دن میں اردو" طریقۂ تعلیم پر غور کیا جائے گا۔

(۳) انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام "انعامی تحریری مقابلہ" پر بھی غور کیا جائے گا۔

(۴) "اردو کانفرنس" اور "آل انڈیا مشاعرہ" پر بھی بحث کی جائے گی۔

مذکورہ بالا مشاعرے کے علاوہ بھی دیگر مسائل زیر بحث ہوں گے۔ (نظر برنی آنرری ایجنٹ)

جے پور (راجستھان) جے پور ۲۰ جنوری۔ آج انجمن ترقی اردو شاخ راجستھان کا ایک وفد جس میں حسب ذیل اصحاب شامل تھے شری رتن چند ماتھر انسپکٹر آف اسکولس جے پور سے اُن کی قیام گاہ پر ملا اور شہر جے پور کے ۴۶۲ طلبہ کی دستخطی درخواستیں اپنی پیش کیں اور گورنمنٹ راجستھان کے جاری کردہ حکم متعلق اجرائے تعلیم اردو کی نقل کے ساتھ پیش کرکے اردو کی تعلیم کے اجرا، لائبریری میں اردو کی کتابوں کی بہم رسانی، کورس کی کتابوں کی نامزدگی (واضح ہو کہ درجہ ششم سے اردو کو بہ حیثیت اختیاری مضمون کے تسلیم کر لیا گیا ہے مگر سلیبس میں اردو کی کتابوں کے نام غائب ہیں) کی بابت تفصیلی گفتگو تقریباً دو گھنٹے تک کی اور ہر پہلو پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ انسپکٹر صاحب نے ہمدردانہ توجہ کی اور اطمینان دلایا کہ آنے والے سیشن میں گورنمنٹ راجستھان کے احکام کے مطابق ضرور انتظام کر دیا جائے گا اور اس سلسلے میں جو دقتیں حائل ہیں ان پر قابو پایا جائے گا۔

اسمائے ارکان وفد

(۱) ماسٹر نند لال صاحب ماتھر ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر مہاراجہ ہائی اسکول جے پور، صدر انجمن ترقی اردو جے پور

(۲) پروفیسر محمد حامی الدین خاں صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی اسکول جے پور۔ (۳) مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان۔

(۴) محمد سراج الحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو جے پور (۵) منشی عبدالواسع صاحب ریٹائرڈ کورٹ سب انسپکٹر جے پور۔ (نامہ نگار)

بانسوٹ (ضلع بھڑوچ) گجرات ۲۰ جنوری کو عبدالرحمٰن صاحب کے بنگلے پر مولانا غلام محمد عربک ٹیچر اینگلو اردو ہائی اسکول کی زیر صدارت ایک میٹنگ ہوئی۔ جناب صدر، جناب شاہد رشید اور جناب عبدالمجید رند نے اردو کے متعلق تقریریں کیں۔

جناب صہبا لکھنوی نے انجمن کے مقاصد پر روشنی ڈالی تقاریر کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد ایڈہاک کمیٹی بنائی گئی جس نے دوسرے ہی دن سے ممبر بنانے کی مہم شروع کر دی اور ۲۱ جنوری تک ۷۰ ممبر بنائے گئے۔

۲۱ جنوری کی رات کو جناب اے ایم ٹیلر بی۔ اے جنگ کی زیر صدارت عام جلسہ ہوا اور عہدے داروں کا انتخاب کیا گیا جلسے میں ممبروں سے اپیل کی گئی کہ وہ عہدے داروں کی انجمن کے زیادہ سے زیادہ ممبر بنانے میں مدد کریں کیونکہ انجمن اسی وقت کامیابی سے چلائی جا سکتی ہے جب کہ اس کے ممبر کافی ہوں۔

انتخابی کارروائی کے بعد چھوٹا سا مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مقامی شعرا رند، صہبا لکھنوی، بہزاد، اختر، منصور، ظریف کے علاوہ طالب بھڑوچی نے حاضرین کو اپنے کلام سے نوازا۔

عہدیداران:- صدر:- جناب عبدالمجید رند

سکریٹری:- جناب صہبا لکھنوی، خازن:- جناب غلام محمد کاوی گا۔

ممبران مجلس انتظامیہ:- (۱) جناب شاہد رشید (۲) جناب اے ایم ٹیلر، (۳) جناب اسمٰعیل اے رحمان (۴) جناب مجتبیٰ احمد چاچا (۵) جناب رسول حسین جمعدار (۶) جناب غلام رسول ماسٹر (۷) جناب عبداللہ بنگلہ والا (۸) جناب شیخ عبدالحق عباس (۹) جناب عثمان متی پٹیل (۱۰) جناب غلام رسول بابا۔

مرکزی انجمن کے جلسے انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کی مجلس عام مجلس عاملہ اور ادبی کمیٹی کے جلسے آتوار ۱۰ فروری ۵۷ء کو انجمن کے دفتر سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں منعقد ہو رہے ہیں۔ اراکین کی خدمت میں دعوت نامے بھیج دیئے گئے ہیں۔

اردو دنیا

بلند شہر میں مشاعرہ

۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کی شب کو ڈی۔ اے۔ وی ڈگری کالج بلند شہر میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس میں ہندستان کے علاوہ پاکستان کے شعراء نے بھی شرکت فرمائی۔

نامہ نگار

اعجاز صدیقی کی نظم کا اعزاز

"میسر ہیڈون" بنانے والوں کی طرف سے پیش کردہ "قدم ملا کے چلو" گیت مقابلے میں ۱۵ جنوری ۱۹۵۷ء کو شام کے ساڑھے چار بجے ایک مخصوص اور بڑے اجتماع میں اردو کے مشہور شاعر و ادیب اعجاز صدیقی مدیر ماہنامہ "شاعر" بمبئی کو ان کی نظم پر ایک ہزار روپیہ کی گرانقدر رقم پیش کی گئی۔ یہ اجتماع سی۔ سی۔ آئی کلب کی گورنر پویلین میں منعقد ہوا تھا۔

اس مقابلے میں اردو اور ہندی زبانوں کے ایک ہزار تین سو نوے (۱۳۹۰) شعراء نے شرکت کی اور ایک ہزار پانچ سو اکہتر (۱۵۷۱) نظمیں وصول ہوئیں۔ کئی ہفتے کے غور و فکر کے بعد ان میں سے ۱۲ بہترین نظمیں منتخب کر کے مجلد صورت میں شعرا کے ناموں کے بغیر کھلے جلسے میں جیوری کے سامنے مذکورہ تاریخ کو پیش کی گئیں۔ مسٹر منوہر مُرلی نے باری باری سے ان بارہ نظموں کو تحت اللفظ پڑھ کر حاضرین اور جیوری کو سنایا۔ اس کے بعد جیوری نے اپنے اپنے طور پر ہر نظم پر غور کیا اور اعجاز صدیقی کی نظم کو سب سے بہتر قرار دیا۔

جیوری میں مسٹر مصطفےٰ فقیہہ نائب وزیر حکومت بمبئی علامہ اشبیلی۔ جناب عبدالحمید انصاری ایڈیٹر روزنامہ انقلاب بمبئی۔ جناب شکیل بدایونی۔ شری رام مہائے پانڈے، شری او۔ این ورما۔ جناب یونس دہلوی مدیر ماہنامہ شمع دہلی۔ مس حمیدہ طیب جی۔ جناب آغا جانی کاشمیری۔ مسز سعیدہ فاروقی مشہور نظم اسٹار سربند۔ شری پی۔ ایس ورما ہکلا کان پور۔ پنڈت سدھاکر ڈکشت۔ شری سیتہ کام ودیا النکار ایڈیٹر "دھرم یگ" اور مسٹر حسین آرٹسٹ شریک تھے۔

دو سو پچاس روپے کا ایک انعام اور سو سو کے دو چھوٹے انعامات بھی تین دوسری نظموں پر دئے گئے۔ یہ نظمیں بھی اردو زبان ہی کی تھیں۔ شرکائے جلسہ کی اعلیٰ معیار پر توجہ کی گئی۔ خود اعجاز صدیقی کی زبان سے ان کی نظم سنی گئی۔ حاضرین بے حد لطف اندوز اور متاثر ہوئے۔ متعدد فوٹوگروپ ہوئے جلسے میں انگریزی، ہندی اور اردو اخبارات کے نمائندے موجود تھے۔ اعجاز صدیقی سے طرح طرح کے سوالات کئے گئے۔ مسٹر ایاز پیر بھائی اس اجتماع کے منتظم تھے۔ "ووڈ فاس لمیٹڈ" کے ڈائرکٹر نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اردو زبان کی اس عظیم کامیابی پر پورے ملک میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔

اعجاز صدیقی کی نظم "میر ہیڈون ریڈیو رنگ" سے نشر کی جائے گی۔

تذکرہ مولوی ذکاء اللہ

تعلیمی مرکز کراچی نے تذکرہ مولوی ذکاء اللہ شائع کیا ہے۔ ذکاء اللہ کے حالات زندگی پہلی مرتبہ ان کے انگریز دوست سی۔ ایف اینڈریوز نے نہایت محنت اور کاوش سے لکھے ہیں۔ غدر کے آنکھوں دیکھے واقعات بھی اس میں لکھے ہیں اور دہلی کی قدیم تہذیب پر بھی سیر حاصل بحث آگئی ہے یہ کتاب گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی دہلی کی تاریخ ہے کتاب کا ترجمہ ضیاء الدین احمد برنی نے کیا ہے۔ (بحوالہ کتابی دنیا)

حضرت جگر کا خیر مقدم

۲۹ جنوری کو رام پور حامد ہال میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ نے اردو کے ممتاز شاعر حضرت جگر مرادآبادی کا یونین کے ایک خصوصی جلسے میں خیر مقدم کیا اور انھیں یونین کا حیاتی رکن بنایا۔ اس موقع پر حضرت جگر مرادآبادی نے ایک غزل سنائی۔

شوق سندیلوی کا انتقال

عبدالعلی شوق سندیلوی مولف "اصلاح سخن" کا ۱۸ جنوری کو انتقال ہوگیا۔ مرحوم کا دائرہ احباب بہت وسیع تھا۔

ایک رسم خط

کلکتے میں صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بھارتیہ ہندی شکشا پریشد کے جلسہ تقسیم اسناد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندستانی زبانوں کے لئے ایک ہی رسم خط ناگری ہونا چاہئے اس سے نہ صرف زبانوں کا مسئلہ حل ہوگا بلکہ جہالت بھی دور ہو سکے گی۔

جشن جمہوریت کا شاندار مشاعرہ

یوم جمہوریت کے سلسلے میں ایک عظیم الشان مشاعرہ سورگیہ لالہ دیش بندھو گپتا کی قیام گاہ، نمبرہ کیننگ روڈ نئی دہلی پر ایک شاندار وسیع پنڈال میں جسے بجلی کی روشنی سے منور کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جناب منشی گوپی ناتھ صاحب امن چیرمین چیف کمشنر ایڈوائزری بورڈ نے شمع روشن کرکے مشاعرہ کا افتتاح کیا اور ایک مختصر مگر جامع تقریر میں اس قسم کے مشاعروں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے سورگیہ لالہ دیش بندھو گپتا کی سیاسی اور ادبی خدمات کا تذکرہ کیا اور انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔ اس مشاعرہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں ملک کے سرکردہ اور نامور شعراء نے شرکت فرمائی۔ جناب خذیؔ جناب جعفرؔ سہارنپوری، جناب ادیبؔ لکھنوی، علامہ منورؔ لکھنوی۔ حضرت مانیؔ جائسی۔ پروفیسر تلوک چند صاحب محرومؔ، ہزایکسیلنسی ڈاکٹر اے حکمت سفیر ایران جناب جگن ناتھ آزادؔ۔ محترمہ نکہت صاحبہ۔ محترمہ ضمیر صاحبہ مولانا انور صابری۔ بشیرؔ جھنجھانوی۔ ساحرؔ نظامی۔ پروانہ میرٹھی طالب دہلوی اور دیگر شعراء نے اپنے کلام سے سامعین کو مستفید اور محظوظ فرمایا۔ مشاعرہ کے داعیان لالہ فتح چند نسیم۔ لالہ پریم شنکر فرحت۔ لالہ جہانگیرت مل رہبیں۔ منشی گنبھیر کشور ماتھر۔ بابو سورج بہادر وکیل۔ شری وشو بندھو گپتا اور جناب وفاؔ نے مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ جناب وفاؔ نے اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔

لال قلعہ میں یوم جمہوریہ کا مشاعرہ

یوم جمہوریہ کے سلسلے میں لال قلعہ میں ایک شاندار ریڈیو مشاعرہ نائب وزیر ریلوے جنرل شاہ نواز کی زیر صدارت ہوا جس میں ہندستان کے مشاہیر شعرائنے شرکت کی۔

مشاعرہ کا آغاز ہندستان کے آخری تاجدار اور جنگ آزادی کے بانی بہادر شاہ ظفر کی غزل سے ہوا جو شہریار پرواز نے پڑھی۔ اس موقع پر ایک مختصر سی تقریر کرتے ہوئے امن صاحب نے کہا کہ آج مشاعرہ کی صدارت کے فرائض ایک ایسے شخص کے سپرد کئے گئے ہیں جس پر اسی لال قلعہ میں بغاوت کا مقدمہ چل چکا ہے جس کی پیروی وزیراعظم نہرو نے کی تھی اور وہ شخص پھانسی پانے کی بجائے آج اسی لال قلعہ میں مشاعرہ کی صدارت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

اپنی مختصر سی صدارتی تقریر میں جنرل شاہ نواز نے کہا کہ یوم جمہوریہ کی تقریبات میں یہاں اردو مشاعرہ کا اہتمام برمحل ہے کیونکہ اس چہار دیواری میں اردو اور جنگ آزادی دونوں نے جنم لیا۔ مشاعرہ کی کارروائی کا سلسلہ ڈیڑھ بجے رات تک ریڈیو پر اور اس کے بعد بھی جاری رہا۔

غزل

دردِ حیات موت کا عنواں نہ ہو کہیں
خاموشیوں سے اور نمایاں نہ ہو کہیں

اے نامرادِ عشق ذرا یہ تو سوچ لے
تیرے لئے بھی کوئی پریشاں نہ ہو کہیں

پھولوں کو جس نے باغ میں ہنسا سکھا دیا
وہ ان کا اک تبسم پنہاں نہ ہو کہیں

اہلِ نشاط پر نہ کھلا آج تک جو راز
وہ میرے آنسوؤں سے نمایاں نہ ہو کہیں

یوں میں قدم ہٹا نہ سکا راہِ عشق سے
تیرا خلوص حسن نگہباں نہ ہو کہیں

اب ڈر یہ ہے کہ دیکھ کے میری تباہیاں
اپنے گریز پر وہ پشیماں نہ ہو کہیں

ہم طالبانِ دید کی حیرت کا ذکر کیا
اپنے اثر سے حسن بھی حیراں نہ ہو کہیں

اب فصلِ گل سے نقشؔ دھڑکتا ہے دل مرا
صبحِ چمن میں شامِ غریباں نہ ہو کہیں

مہیش چند نقشؔ

---

۳۰ جنوری کو ۱۱ بجے دن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا جلسہ تقسیم اسناد پرو چانسلر جناب نواب صاحب چھتاری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اپنا خطبہ پڑھا۔ اس موقع پر یونیورسٹی نے موصوف کو ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی۔

(نامہ نگار)

یونیورسٹی کا مشاعرہ

۲۹ جنوری کی رات مسلم یونیورسٹی یونین کی جانب سے ایک عظیم مشاعرہ منعقد ہوا جس میں اردو کے ممتاز شعرا نے حصہ لیا۔

حضرت جگر مرادآبادی، پروفیسر آل احمد سرور، روش صدیقی، مسعود اختر جمال، وامق جون پوری، فنا کانپوری، نشور واحدی، شمیم جے پوری، واقف مرادآبادی اور دیگر شعرائے کرام نے شرکت فرمائی۔

مشاعرہ بڑی دلچسپی سے سنا گیا۔ سامعین میں ڈاکٹر ذاکر حسین، نواب صاحب چھتاری، یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب بشیر حسین زیدی جناب بیگم قدسیہ زیدی اور یونیورسٹی کے اساتذہ بھی آخر تک تشریف فرما رہے۔

مشاعرے میں منتخب کلام سنا گیا جس سے سامعین بہت متاثر ہوئے میرے حافظے نے صرف چند شعر یاد رکھنے میں یاوری کی جو درج ذیل ہیں۔

یہ کامیاب مشاعرہ ۲ بجے رات تک جاری رہا۔

آجاؤ کہ اب خلوت ہی خلوت غم ہے
اب دل کے دھڑکنے کی بھی آواز نہیں ہے

کیا قحط محبت ہے کہ اس دور ہوس میں
دل باز بہت ہیں کوئی جاں باز نہیں ہے
(جگر مرادآبادی)

فقیہہ شہر سے کہدو کہ بر حق
کتاب چہرۂ اصنام بھی ہے
(روش صدیقی)

بڑھے جو رنج اسیری تو قید ہے کیا چیز
قفس میں پرورش بال و پر بھی ہوتی ہے (آل احمد سرور)

ہر دور سے گزرا ہوں مسرت ہو کہ غم ہو
ہر راہ میں اک نقش قدم چھوڑ دیا ہے (فنا کانپوری)

آندھرا ریڈیو میں اردو پروگرام

حیدرآباد میں اردو پروگرام بند کر دیا گیا تھا۔ اب آل انڈیا ریڈیو کی پروگرام مشاورتی کمیٹی نے اپنے حالیہ جلسے میں غور کرتے ہوئے تجویز پیش کی ہے کہ اردو ادبی پروگرام پھر سے شروع کیا جائے۔

تمثیلی مشاعرہ

قومی آواز کی اطلاع ہے کہ لکھنؤ میں جشن جمہوریہ کے سلسلے میں میوزک کالج قیصر باغ کے میدان میں جمعہ کی رات کو ایک تمثیلی مشاعرہ نظامت اطلاعات یوپی کی طرف سے ایک تو نجمن نیشنل کلچرل ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ہوا۔

تمثیلی مشاعرہ جو ایک ہی ہفتہ قبل شہر میں ایک دوسرے ادارے کے اہتمام میں پیش کیا جا چکا تھا۔ اس نئی پیش کش کے بعد موازنے کا شکار ہو گیا اور دونوں محفلوں میں حصہ لینے والوں کی عام رائے کے مطابق نیشنل کلچرل ایسوسی ایشن مشاعرہ کو دلچسپ بنانے میں بہت پیچھے رہی اس بات کو اداکار شاعروں نے بھی افسوس کے ساتھ محسوس کیا۔

سامعین کے زبردست ہجوم نے تقریب کے نظم و ضبط پر بھی خراب اثر ڈالا اور اسٹیج سے قریب بیٹھنے والوں کے علاوہ باقی تماشائیوں کے لئے یہ تقریب غیر دلچسپ رہی۔

جن سنگھ کی زبان

انتخابات کے سلسلے میں جن سنگھ کے جنرل سکریٹری اٹل بہاری باجپائی صاحب نے لکھنؤ کی ایک پریس کانفرنس میں جن سنگھ کے انتخابی منشور سے جو ہندی میں تھا ایک عبارت پڑھی اس میں عوام کو تو بیانے کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔

اس پر ایک اخبار نویس نے کہا کہ جن کو آپ تو بیانا چاہتے ہیں وہ تو اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھتے۔ اس کا جواب قہقہوں کی نذر ہو گیا جس میں باجپئی صاحب بھی شریک تھے۔ ع

خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے۔

برلن میں اردو

بمبئی کے مشہور فلمی رسالہ "فلم فیئر" نے اپنی ۲۰ دسمبر کی اشاعت میں فلم اسٹار مہتاب مودی کا ایک انٹرویو شائع کیا ہے۔ مہتاب مودی نے فرمایا کہ وہ جب برلن کے ایک ریستوران میں گئیں تو انھوں نے دیکھا کہ اس ریستوران کا مینو کارڈ" انگریزی کے علاوہ اردو زبان میں بھی چھپا ہے۔ یہ اردو بھی کہاں پہنچی ہے۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

اردو ادب میں ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کا مقام

(از پروفیسر ہیرالال چوپڑہ، اردو لیکچرار، کلکتہ یونیورسٹی)

اردو زبان کو انگریزوں کا ممنون ہونا چاہیے کہ ان کے زمانے میں اس کی باقاعدہ نشوونما کے وسائل پر غور کیا گیا، اور اسے فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مغلوں کے عہد میں اردو موجود ضرور تھی لیکن اس کی ترقی کے لئے کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی تھی ان کی درباری اور سرکاری زبان فارسی تھی اور حکومت اور عدالت کے تمام امور فارسی زبان میں ہی سر انجام دیئے جاتے تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب ہندوستان میں اپنے تجارتی ادارے قائم کئے تو لازم تھا کہ ان اداروں میں کام کرنے والے معتمد افسروں کو یہاں کے عوام کی زبان سے واقفیت میسر ہوتی تاکہ وہ اپنے تجارتی منصوبوں میں کامیابی حاصل کر سکتے۔ عوام کی زبان سیکھنے کے لئے انگریزوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوؤں کی چھوت چھات کے رسم و رواج انگریزوں کی قربت کے واسطے ایک سد راہ تھے اور مسلمان انگریزوں سے اس لئے برگشتہ تھے کہ وہ مسلمانوں ہی کے راج کو غصب کر کے ہندستان میں اپنی سلطنت بڑھا رہے تھے۔

اس مرض کو انگلستان میں بیٹھے ہوئے جس طبیب نے تشخیص کیا اور جس نے اس کے علاج کے لئے دل میں سے کوشش شروع کی وہ مرد مجاہد ڈاکٹر جان بارتھو گلکرائسٹ ایل۔ ایل۔ ڈی، ایف۔ آر۔ ایس۔ ای تھے۔

ہندستانی

وہ ایڈنبرا (اسکاٹ لینڈ) میں ۱۷۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ جارج ہیریٹ ہسپتال کی مشہور طبی درس گاہ میں تعلیم حاصل کر کے ۱۷۸۲ء میں بطور ڈاکٹر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں داخل ہو کر بمبئی پہنچے۔ یہاں سے ایک سال بعد یعنی ۱۷۸۳ء میں کلکتہ بھیجے گئے۔ دوران قیام بمبئی ڈاکٹر گلکرائسٹ نے دیکھا کہ اردو زبان جس کو وہ "ہندستانی" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ شمالی ہندستان کے عوام الناس کی زبان ہے اور انھوں نے اسے سیکھنا شروع کر دیا اور دو تین سال کی محنت شاقہ سے اس قدر استعداد بہم پہنچائی کہ وارن ہیسٹنگز کے منصب گورنر جنرل سر جان میکفرسن نے ان کو ۱۷۸۵ء میں فرلو رخصت دینا منظور کر لیا۔ یہ رخصت لے کر فیض آباد پہنچے اور وہاں بالکل ہندستانی طرز معاشرت اختیار کر کے اردو زبان کے تحقیقی مطالعہ میں منہمک ہو گئے۔ انھوں نے ہندو اور مسلمان ماہرین اردو سے مل جل کر اس زبان میں مہارت تامہ حاصل کی اور دہلی، لکھنؤ وغیرہ کا بھی دورہ کیا۔

اردو گرامر

۱۷۹۸ء میں لارڈ ولزلی گورنر جنرل ہو کر ہندستان آئے۔ انھوں نے لندن میں بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفاتر میں کام کیا تھا۔ لہذا انھیں اس کا پورا احساس تھا کہ ہندستان میں کام کرنے والے انگریز ملازموں کے لئے وہاں کی عام زبان کا جاننا نہایت ضروری ہے یہاں آ کر ان کو ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کی اسکیم سے مکمل اتفاق ہوا۔ ڈاکٹر گلکرائسٹ نے قواعد اردو اور لغت پر کتابیں لکھیں اور وہ یوروپین ملازمین کو روزانہ اردو درس دیا کرتے تھے۔ لارڈ ولزلی نے ڈاکٹر گلکرائسٹ کے اس جذبۂ ترویج اردو اور بقائے سلطنت کے اس دور اندیشانہ اقدام کی قدر کی۔

کالج کی سالانہ روئدادوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام وقت کالج کی افادیت کے قائل تھے۔ چنانچہ ۱۸ اگست ۱۸۰۰ء کو ایک اجلاس میں مارکوئیس ولزلی گورنر جنرل نے ایک ایسے کالج کے اجرا کی ضرورت پر پرزور تقریر کی اور اس غرض کو مد نظر رکھتے ہوئے اپریل ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی اور ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کو ہندستانی یعنی اردو کا پروفیسر نیز کالج کا صدر و پرنسپل مقرر کیا گیا

عام فہم زبان

ڈاکٹر گلکرائسٹ اس امر سے واقف تھے کہ نظام حکومت کے کاموں میں کبھی مستعدی نہیں آسکتی اگر منشی لوگ بیجا تشبیہوں اور استعاروں کی الجھنوں میں جکڑے رہیں گے اور یورپین ملازمین جن کو یہاں پر بہت کچھ کرنا تھا اگر ان ہی تکلفات میں پڑ گئے تو حکومت کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ لہذا شاعرانہ تلمیحات اور مبالغہ آمیز تشبیہات و استعارات سے قطع نظر انھوں نے ایک ایسا نصاب درس مقرر کیا جس پر قدرت حاصل کرنے کے بعد تمام افسر زیادہ کارآمد اور مفید ہو سکتے تھے۔

ڈاکٹر گلکرائسٹ چونکہ خود تمام اردو مرکزوں کی سیر کر چکے تھے اس لئے ان کو قابل اساتذہ کے انتخاب میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ انھوں نے ایسے باکمال ارباب قلم کو اپنے کالج میں جمع کیا جو فصیح ہونے کے علاوہ کارکن بھی تھے۔ اس کالج میں صرف اساتذہ ہی ہندستانی تھے لیکن پڑھنے والے تمام کے تمام سول اور ملٹری محکموں کے یورپین افسران تھے۔ ان کو کورس پاس کرنے کے بعد آنرز کے سرٹیفکٹ ملتے تھے اور ان کی تنخواہوں میں کچھ اضافہ ہو جاتا تھا۔ لہذا کالج کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

اب اس سلسلہ میں یہ حیرت انگیز بات ڈاکٹر گلکرائسٹ کی وساطت سے رونما ہوئی کہ پہلا ہیڈ منشی جو اردو فارسی کے شعبے کا صدر مدرس تھا وہ ایک بنگالی ہندو ترنی چرن متر تھا۔ جسے کالج کے قائم ہونے کے ایک ماہ بعد یعنی جون ۱۸۰۱ء میں مقرر کیا گیا تھا اور اسی طرح ہندی کی اسامی کے لئے میر بہادر علی ایک مسلمان کو ستمبر ۱۸۰۱ء میں تعینات کیا گیا۔

(باقی)

مراسلات

جناب ناصر کرنولی

آپ کی ادارت نے "ہماری زبان" کو جو نکھار بخشا ہے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے اس کو سنوارنا نہ صرف صوبائی شاخوں کا بلکہ اردو داں طبقے کا اہم فرض ہے آپ مطمئن رہیں اس کی اشاعت میں ہمارا تعاون عمل ضرور بہ ضرور شامل رہے گا۔

جناب غلام نبی صاحب کشمیر

اتفاقاً پرسوں پبلک لائبریری میں آپ کا پرچہ نظر سے گزرا۔ سچ پوچھئے تو ایک نظر دیکھتے ہی متاثر ہوا۔ پرچہ خاصا ستھرا ہے اور اس میں شائع ہونے والا مواد ایک ادیب یا عام آدمی کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے پرچے کی بہتری کے لئے میری نیک خواہشات آپ کے ساتھ رہیں گی۔ سالانہ قیمت مبلغ تین روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کر رہا ہوں۔

ادبی اکاڈمی لکھنؤ

ادبی اکاڈمی لکھنؤ کا ایک اہم جلسہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی صاحب کے مکان پر ہوا۔ جلسہ میں پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، عبدالاحد خاں خلیل چودھری نفیس احمد وکیل، شجاعت سندیلوی، محمد سمیع صدیقی پرنسپل صاحب علی پرنسپل، سلام سندیلوی، شوکت علی صدیقی ایم اے عرفان تھانوی، نسیم احمد دانش محل، شفاعت علی صدیقی وغیرہ شریک تھے۔ سب سے پہلے اکیڈمی کے دستور العمل پر غور کیا گیا۔

اکاڈمی کے ممبران بنائے جانے کے سلسلے میں یہ طے پایا کہ وہی حضرات ممبر بنائے جائیں جو خود ادیب ہوں یا ادب سے کافی دلچسپی رکھتے ہوں لیکن اکاڈمی کی مجلس عاملہ اور لائبریری کمیٹی کو یہ اختیار ہے کہ وہ مخصوص ضروریات کے پیش نظر دوسرے مشاہیر ادب اور ماہرین فن سے بھی مشورے کر سکتی ہے۔

اکاڈمی کے سہ ماہی ترجمان کا نام جائزہ منظور ہوا اور پہلا شمارہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات پر مئی ۱۹۵۷ء میں نکالا جائے!

اکاڈمی کے قیام کے سلسلے میں ہند و پاک کے جن ادب نواز حضرات نے پرجوش خیر مقدم کیا اور اپنے اشتراک و تعاون کا یقین دلایا جلسے نے ان سب حضرات کا شکریہ ادا کیا۔

شجاعت علی سندیلوی جنرل سکریٹری

مرہٹی میں اردو ادب کا تعارف

(از جناب ایم بی چودھری ۔ کلیان)

جس طرح رام بابو سکسینہ کے سر انگریزی داں حضرات کو تاریخ زبان اردو ادب سے روشناس کرانے کا سہرا ہے بالکل اسی طرح مِن اردو شری پادچوشی صاحب کے سر مرہٹی داں حضرات کو اردو زبان و ادب کی تاریخ سے متعارف کرانے کا سہرا ہے۔

موصوف نے "اردو کے ادیب" نامی کتاب لکھ کر اپنی اردو دوستی کا بین ثبوت دیا ہے اس سے پہلے بھی موصوف کے اردو سے متعلق تاثرات مرہٹی اخباروں میں اکثر شائع ہوچکے ہیں۔ اردو اگرچہ آپ کی مادری زبان نہیں ہے پھر بھی آپ نے جس جانفشانی کے ساتھ اس زبان کے ادب کی تحقیق کرکے جو مفید ذخیرہ جمع کیا ہے وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔

ذیل کا مضمون مشہور مہاراشٹرین تبصرہ نگار شری ملکشی داس بودکر کے اس ریویو کا ترجمہ ہے جو موصوف نے اردو کے ادیب نامی کتاب پر مہاراشٹر کے کثیر الاشاعت مرہٹی اخبار روزنامہ "لوک ستہ" میں شائع کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اکثر لوگوں میں ہندی، ہندستانی کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے اور اردو کے متعلق ان کا خیال ہے کہ جب اردو کے لئے پاکستان بن گیا تو پھر بھارت میں اردو کیوں؟" یہ سوال غصہ کی حالت میں قابو سے باہر ہوکر وہ کر بیٹھتے ہیں مگر انھیں کیا معلوم کہ اردو بھارت ہی کی ایک زبان ہے اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اس اہم مقصد کو ان کے دماغوں میں ٹھونسنے کے لئے "اردو کے ادیب" نامی کتاب بہت نمایاں کام انجام دے گی۔

اردو میں عربی، فارسی اور ہندی میں سنسکرت کے لفظ زیادہ ہیں۔ آج کل سنسکرت سے پُر ہندی رائج کرنے کی منظم کوششیں ہورہی ہیں سنسکرت لفظوں پر زیادہ توجہ دینے سے ہندی کو عوامی زبان کا آج جو منصب حاصل ہے وہ کھو دے گی۔ اور ہندی زبان خاص ماہرین السنہ کی میراث ہوکر رہ جائے گی اس کے برعکس ہندستانی میں اردو لفظوں کو مساویانہ حقوق حاصل ہیں اس لئے ہمیشہ گاندھی جی بھی ہندستانی کے ہی لن گایا کرتے تھے۔ اس نظریہ کے تحت بھی اردو زبان سیکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے نہیں کہ اردو صرف بھارت کی ایک زبان ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا ادب نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے اس لئے اس کی قدرو منزلت کرنا چاہئے۔

زبان کے سلسلے میں سیاست کو نہ لاتے ہوئے اگر اردو زبان کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اردو زبان کی اہمیت و وقعت واضح ہوسکتی ہے۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اردو زبان میں اپنے خیالات کو صاف طور پر ظاہر کرنے کی صلاحیت ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر سنسکرت لفظ "سماچار" کی جگہ اردو لفظ "خبر" ذیل کے جملوں میں کتنا موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے، اس کا فیصلہ آپ خود ہی کرسکتے ہیں۔

(۱) تمہیں کچھ خبر بھی ہے؟ (۲) ان کی خوب خبر لی گئی (۳) وہ بے خبر سو رہا ہے ان تینوں جملوں میں خبر کی بجائے اگر سنسکرت لفظ "سماچار" استعمال کیا جاتا تو وہ جملے بے معنی ہوکر رہ جاتے اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوکر رائج زبان چھوڑ دینا مصلحت کے خلاف ہے۔ جوشی صاحب نے زندہ جاوید ادیب و شاعروں کی ایک بیش بہا مرواریدپیش کی ہے امیر خسرو اردو زبان کے پہلے شاعر ہیں ان کا مقام پیدائش پٹیالی ضلع ایٹہ شمالی ہندستان میں ہے۔ امیر خسرو جس طرح فارسی کے اچھے شاعر مانے جاتے ہیں اسی طرح ہندی کے بھی عمدہ شاعر مانے جاتے ہیں۔

ابتدا میں ہندی فارسی رسم خط میں لکھی جاتی تھی اور مسلمان بادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی۔ ہندی اور اردو ادیبوں کے خیالات پر فارسی زبان کے اثرات کی یہی خاص وجہ تھی۔ اردو ادیب (SENTENCE MINDED) ہیں وہ ایک ایک دو دو مصرعوں میں اپنے خیالات کا اظہار بہ آسانی کرسکتے ہیں ؎

خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرو، من پی او کو، دو، اؤ بھے اک رنگ

اردو ادب میں نثر سے زیادہ نظم گوئی کا رواج ہے۔ میر نامی شاعر کا یہ شعر مشہور ہے۔

قائل نہیں ہم یونہی کچھ ریختہ گوئی کے
معشوق تھا جو اپنا باشندہ تھا دکن کا

اسی طرح مرزا غالب کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

اردو بیجاپور اور گولکنڈہ ان دو حکومتوں میں پالی اور پوسی گئی۔ گولکنڈہ میں محمد قلی قطب شاہ، عبداللہ، وجی اورنگ آبادی اور سلیج ان ادیبوں نے نام پایا۔ حکومت بیجاپور میں قاضی محمود یہ شاعر تھے۔ نصرتی نے بھی قیمتی ادب پیش کیا۔ ولی کے شاہی ادبائیں حاتم، آرزو، آبرو، مظہر، شیخ شرف الدین، مجنوں وغیرہ مشہور گزرے ہیں۔ اردو شاعری کے سنہرے دور کی ابتداء اور مغل دور حکومت کے زوال کا زمانہ دونوں یکساں شروع ہوئے۔ اردو شاعری کو بام ثریا پر پہنچانے میں میر و سودا کا خاص مقام ہے۔ درد، سوز حسن نے بھی شاعری کا کمال دکھایا مگر وہ صرف غزل ہی میں مشہور تھے۔ وسط زمانہ میں اردو ادب میں ایک طرح کا جمود سا محسوس ہونے لگا تھا۔ لیکن ایک دفعہ روشنی کی ہوئی شمع روشن رکھنے کے لئے غالب، ذوق، مومن جیسے باکمال شاعر آگے بڑھے۔ غالب نے سب سے پہلے شعر میں خیالات کی بلند پروازی لاکر حالات کو کھلے طور پر پیش کیا وہ آزاد خیال بھی واقع ہوئے تھے صاف گو بھی ان کے اس شعر سے ان کی صاف گوئی کا اظہار ہوتا ہے ؎

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

انگریزی دور حکومت میں نئی طرز کے شاعر اور ادیب پیدا ہوئے ظفر، حالی، آزاد، سرسید یہ ادبا و شعرا اردو ادب کو نئے بہاؤ کی طرف بہا لے گئے جنہوں نے نیا ادب پیدا کیا۔ آج وہ حیات نہیں ہیں ان میں اکبر الہ آبادی، برج نرائن چکبست، اقبال بیسویں صدی کے یہ تین ادیبوں نے اردو ادب کے مسند پر سنہرا عکس آویزاں کیا۔ موت سے پیشتر اکبر کے کہے ہوئے اس شعر سے اس کی وطن دوستی کا جذبہ معلوم ہوسکتا ہے ؎

مرحوم گورنمنٹ اکبر اگر نہ ہوتا
اس کو بھی آپ پاتے گاندھی کی گوپیوں میں

پنڈت برج نرائن چکبست نے صحیح معنوں میں اردو میں قومی شاعری کی ابتداء کی ان کی شاعری میں جگہ جگہ تحریک آزادی پر لوگوں کو ابھارنے کا سبق ملتا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا قومی ترانہ

سارے جہاں سے اچھا ہندستان ہمارا

بحیثیت قومی گیت کے ۱۹۴۷ء تک بھارت کی گلی کوچوں میں پڑھا جاتا تھا اور آزادی کے بعد بھی اسی ترانہ کو قومی گیت کا مقام دیئے جانے کا امکان تھا۔ برق دہلوی، فانی بدایونی، صفی لکھنوی، سیماب اکبرآبادی، فراق گورکھپوری، جگر مرادآبادی اثر لکھنوی، فیض، مجاز، علی سردار جعفری، مخدوم یہ مشہور ہیں اور اردو نثر کی ترقی میں میرامن دہلوی افسوس، منشی تہال چند، سرسید احمد خاں، حالی، نذیر احمد، شبلی، نواب محسن الملک، مولانا ذکاء اللہ، پروفیسر رام چندر، ڈاکٹر بلگرامی، مولانا آزاد اور غلام الم شہید نے نمایاں حصہ لیا مگر اردو ادب میں نثر سے زیادہ نظم کا حصہ ہے۔

شمری پاد جوشی نے ہمارا قطرین مصنف ہونے کے باوجود بھی اردو ادب کی اتنی اچھی تاریخ لکھی ہے اس پر ان کو جتنی مبارک باد دی جائے کم ہے۔

بقیہ رفتار

ابھی حال میں ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے میر کی چار مثنویاں دریافت کی ہیں جو ان کے اپنے قلم سے ہیں۔ ان مثنویوں کا عکس آرٹ پیپر پر کتابی صورت میں دہلی کے دھومی مل دھرم داس نے شائع کیا ہے جس پر مولانا ابوالکلام آزاد کا مقدمہ بھی ہے سکسینہ صاحب نے میر کی ایک مستند تصویر بھی دریافت کی ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور نے میر پر چھ سات مقالے لکھے ہیں اور ان کے فن کے مختلف پہلوؤں کو جدید تنقیدی زاویوں سے دیکھا ہے۔ یہ سارے مقالے ابھی غیر مطبوعہ ہیں کتابی صورت میں شائع ہوجائیں تو شاید یہ بہت سی ضخیم کتابوں کی کمی کو پورا کردیں۔

تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ خورشید الاسلام صاحب "ذکر میر" کا اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں اور مع مقدمہ و حواشی کے شائع کرنے والے ہیں۔ اور یہ بھی کہ علی گڑھ میگزین جلد ہی ایک "میر نمبر" شائع کر رہا ہے۔

امید ہے اردو تنقید اب کچھ دنوں میں اس قابل ہوسکے گی کہ وہ اپنے اس محبوب شاعر کا حق ادا کرسکے۔

[illegible] پرنٹر پبلشر نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن علی گڑھ سے شائع کیا